# حُبِّ دُنیا

خُرّم مُرادؔ

منشُورات

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمُ

عَنْ اَبِىْ عَبْدِالسَّلَامِ ، عَنْ ثَوْبَانَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ. قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "يُوْشِكُ الْاُمَمُ اَنْ تَدَاعٰى عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَاعَى الْاَكَلَةُ اِلَى قَصْعَتِهَا. فَقَالَ قَائِلٌ: وَمِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ، قَالَ: بَلْ اَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيْرٌ ، وَلٰكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ ، وَلَيَنْزِعَنَّ اللّٰهُ مِنْ صُدُوْرِ عَدُوِّكُمُ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ ، وَلَيَقْذِفَنَّ فِيْ قُلُوْبِكُمُ الْوَهْنَ. فَقَالَ قَائِلٌ : يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، وَمَا الْوَهْنُ؟ قَالَ: حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ"

(رواه ابوداؤد ، ج١٦، ص١٦٥)

## بیاسمہ

نبی اکرمؐ نے اپنی امت کو اللہ کی کتاب پہنچائی اور خود اس پر عمل کر کے یہ بتایا کہ زندگی بسر کرنے کا صحیح راستہ کیا ہے اور اس امت سے وابستہ لوگوں کو اپنی زندگی کس طرح بسر کرنی چاہیے۔ اس کے ساتھ ہی آپؐ نے اپنے مختلف ارشادات میں اس بات کی بھی تعلیم دی ہے کہ آنے والی امت کو کس قسم کے حالات سے دوچار ہونا پڑ سکتا ہے۔ جو امراض پیدا ہوں گے' جو خرابیاں پیدا ہوں گی ان کا سبب کیا ہوگا اور ان کا علاج کیا ہے۔ آج جو حدیث میں آپ کے سامنے رکھنے والا ہوں' وہ اسی موضوع پر ہے۔ آپ محسوس کریں گے کہ گویا اس کے اندر آج کے زمانے کی تصویر کھینچ دی گئی ہے۔

حضرت سوداءؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا: بہت قریب ہے کہ بہت ساری قومیں آپس میں ایک دوسرے کو تمھارے خلاف بلائیں گی جس طرح کھانے والے

ایک دوسرے کو اپنے دسترخوان کی طرف بلاتے ہیں۔ کسی پوچھنے والے نے پوچھا کہ کیا اس کی وجہ یہ ہوگی کہ ہم تعداد میں کم ہوں گے اور اس دن ہم اس حالت کو پہنچ جائیں گے۔ آپؐ نے فرمایا: نہیں، تم اس روز تعداد میں بہت زیادہ ہوگے لیکن تم اس جھاگ کی طرح ہوگے جو پانی کے اوپر یا دریا اور سمندر کے اوپر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمھارے دشمنوں کے دل میں سے تمھارا خوف، ہیبت اور رعب نکال دے گا اور تمھارے دلوں کے اندر وہن ڈال دے گا۔ ایک پوچھنے والے نے پوچھا کہ یہ وہن کیا چیز ہے؟ فرمایا: دنیا سے محبت اور موت سے نفرت۔

اس روایت کو ابوداؤد نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔ اس حدیث پر آپ غور کریں۔ پہلے تو آپ نے تصویر کھینچی ہے اور فرمایا ہے کہ ایک وقت ایسا آئے گا جب دنیا کی قومیں تمھارے خلاف ہوجائیں گی۔ صرف جمع ہی نہیں ہوجائیں گی بلکہ ایک دوسرے کو بلائیں گی کہ وہ تمھارے خلاف لڑائی لڑیں اور تمھیں کمزور کریں۔ اس کی مثال آپ نے اس طرح دی کہ جس طرح کھانے والے ایک دوسرے کو دسترخوان کی طرف بلاتے ہیں۔ جب کھانا لگ جاتا ہے تو دوسروں کو کہتے ہیں کہ آیئے، بیٹھیے، کھایئے۔ تمھاری حالت بھی اس دسترخوان کی سی ہوجائے گی اور تم دوسری قوموں سے ڈرنے والے بن جاؤ گے۔

جب یہ تصویر نگاہوں کے سامنے آتی ہے تو ظاہر کی نظر تو یہی سوچ سکتی ہے کہ اس کی کوئی مادی وجہ ہوگی۔ چنانچہ ایک پوچھنے والے نے پُوچھ لیا کہ کیا یہ تعداد کی کمی کی وجہ سے ہوگا کہ ہم اس دن اس حالت کو اس طرح پہنچ جائیں گے۔ اس زمانے

میں تعداد ہی پر اصل قوت کا انحصار تھا۔ لڑائی میں بھی فوجوں پر انحصار ہوتا تھا۔ قوموں کے غلبے اور برتری میں بھی تعداد پر انحصار ہوا کرتا تھا۔ اسی لیے مال اور بیٹے ان دو کا ذکر قرآن مجید نے بار بار کیا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ تعداد سے مراد یہاں نفری نہیں ہے۔ اگر ہم تھوڑا سا سوچیں تو اس کے اندر ہر قسم کے مادی وسائل شامل ہیں۔ کیا ہمارے پاس مال کی کمی ہوگی؟ اس لیے کہ جس وقت یہ* بات کہی جا رہی ہے' اس وقت تو مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی اور مال بھی نہیں تھا اور دنیاوی وسائل بھی نہیں تھے اور ساز و سامان بھی نہیں تھا اور اسلحہ اور قوت بھی نہیں تھی۔ پوچھا: کیا ہم کم ہو جائیں گے؟ قلت میں تعداد کے ساتھ ساتھ ہر چیز کی قلت شامل ہے۔ نبی کریمؐ نے اس کی اصلاح فرمائی اور فرمایا کہ دنیا کی قومیں تمھارے اوپر اس وجہ سے نہیں ٹوٹ پڑیں گی۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہوگی کہ تم قوت میں' تعداد میں بہت کم ہو گے بلکہ اس کی وجہ کچھ اور ہوگی۔ تمھاری تعداد بھی زیادہ ہوگی' تمھاری قوت بھی زیادہ ہوگی' مال اور اسباب بھی تمھارے پاس ہوگا' کسی چیز کی کمی نہیں ہوگی لیکن اتنی بڑی تعداد کے باوجود اور ساری مادی قوت کے باوجود' ہوائی جہاز بھی ہوں گے' ٹینک بھی ہوں گے' توپیں بھی ہوں گی' پٹرولیم بھی ہوگا' ان سب کے باوجود تمھارا وزن اس طرح ہوگا جس طرح پانی کے اوپر جھاگ ہوتا ہے۔ جھاگ کا وزن نہیں ہوتا۔ بظاہر دیکھنے میں تو بہت نظر آتا ہے لیکن اس کے اندر کوئی صلاحیت اور استعداد نہیں ہوتی۔ وہ دنیا میں کوئی کام نہیں کرسکتا۔

اللہ تمھارے دشمنوں کے دل سے تمھارا خوف' تمھارا رعب اور تمھاری ہیبت

سب کچھ نکال دے گا۔ دشمن تم سے ہرگز نہیں ڈریں گے اور جس طرح چاہیں گے تمھارے خلاف سازشیں کریں گے۔ جس طرح چاہیں گے تمھیں اپنا آلہ کار بنائیں گے۔ جس طرح چاہیں گے تمھارے مال واسباب کو کھائیں گے' تمھارے وسائل کے اوپر قبضہ کریں گے۔ دشمن تم سے نہیں ڈرے گا۔ تمھاری تعداد اور اسلحے کے باوجود اس کے دل میں تمھارا کوئی خوف نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ تمھارے دلوں میں وہن ڈال دے گا۔ نبی کریمؐ نے وہن کا لفظ استعمال کیا۔ وہن کے معنی کمزوری کے ہوتے ہیں۔ ایک صحابیؓ نے سوال کردیا کہ وہن کا کیا مطلب ہے؟ آپؐ نے فرمایا: دنیا کی محبت اور موت سے نفرت۔

اس حدیث پر آپ غور کریں تو آپ کو نظر آئے گا کہ آج واقعی ہماری حالت یہی ہے اور آج ہی نہیں ہے' تقریباً ڈیڑھ سو سال سے یہی حالت ہے۔ اس سے پہلے بھی ایک دفعہ اسی طرح کی حالت ہوچکی ہے۔ یہ وہ وقت تھا جب منگول اٹھ کر آئے تھے اور انھوں نے مسلمانوں سے مل کر اور کبھی ان کو اپنا آلہ کار بنا کر' ان کی قوت کے بل پر ایک سرے سے دوسرے سرے تک مسلمانوں کے ممالک پر قبضہ کیا' ان کی آبادیوں کو تخت و تاراج کیا' ان کی تلوار سے ان کی گردنیں کاٹیں' سروں کے مینار تعمیر کیے۔ مسلمانوں کی تہذیب اور تمدن کے بڑے بڑے عالیشان مراکز تھے' کسی چیز کی کمی نہیں تھی' سب تباہ کردیے۔ ۱۲۵۸ء میں بغداد پر ہلاکو خان کے قبضے کے بعد بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجائی گئی' کتب خانے جلا دیے گئے' یونی ورسٹیاں جلادی گئیں' اتنے لوگ قتل کیے گئے کہ دریائے دجلہ کا پانی خون سے سرخ ہوگیا۔ تاتاریوں کا بغداد کے

اوپر قبضہ مسلمانوں کی تاریخ کا سب سے بڑا حادثہ شمار ہوتا ہے۔

جب مغربی اقوام اٹھیں تو دوسرا دور آیا۔ انڈونیشیا' ملائشیا' مراکش' تیونس' الجزائر' ہندوستان' اردن کوئی ملک ایسا نہیں ہے جو ان کے غلبے سے بچ گیا ہو' جس کے وسائل پر انھوں نے قبضہ نہ کرلیا ہو۔ انگریز اور فرانسیسی اور ولندیزی سب آپس میں مل گئے اور انھوں نے مسلمانوں کی تباہی مچائی۔ آپؐ نے جو تصویر کھینچی ہے' یہ آج کے دن کی نہیں ہے' بلکہ ایسے دور پہلے بھی آئے ہیں اور اب بھی آیا ہوا ہے۔ اب بھی آپ دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے مال واسباب پر قبضہ کرنے کے لیے اور انھیں ذلیل کرنے کے لیے پوری دنیا ایک ہوگئی ہے۔ اتنی بڑی تعداد کے باوجود کہ ایک ارب سے زائد مسلمان ہیں' پورے اس کرہ ارض پر جتنے لوگ بھی چل پھر رہے ہیں' اس میں ہر پانچواں آدمی مسلمان ہونے کا دعوے دار ہے' کلمہ پڑھتا ہے' اللہ کے رسول پر ایمان کا بھی مدعی ہے۔ مسلمان ممالک میں ۹۰ کروڑ ہیں اور ان کی اپنی حکومتیں ہیں اور ۴۰ کروڑ اقلیت کی حیثیت سے دنیا کے ہر ملک میں موجود ہیں۔ آج مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اگر آپ ان کی فوجوں کو جمع کریں' ان کے ٹینکوں کو جمع کریں' ان کے ہوائی جہازوں کو جمع کریں' تو تعداد میں بہت زیادہ ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تم تعداد میں بہت زیادہ ہوگے' اس کے باوجود دشمن کے دل پر تمھارا کوئی رعب اور ہیبت نہیں ہوگی۔ تمھارے خوف سے کوئی رکے گا نہیں' ڈرے گا نہیں کہ تمھارے اوپر حملہ نہ کرے اور تمھیں نقصان نہ پہنچائے۔ اس کی وجہ یہ ہوگی کہ تم وہن کا شکار ہوگے اور وہن کی تعریف آپ نے فرمائی: دنیا کی محبت اور موت کا خوف۔ بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات کچھ

تصوف سے اور اخلاقی روحانی اصلاح سے تعلق رکھتی ہے۔ اس بات کا تعلق قوموں کی ذلت اور عزت کے ساتھ' ان کی شکست اور فتح کے ساتھ اور دنیا میں ان کے مقام سے کیا ہو سکتا ہے؟

اصل میں یہ بات اچھی طرح سمجھنے کی ہے کہ قوموں کی زندگی اور عروج اور زوال کا انحصار مادی چیزوں اور مادی عوامل پر بالکل نہیں ہے اور نہ ہی ان کی تعداد پر ہے۔ جہاں تک بغداد کا تعلق ہے' تو مسلمانوں نے خود دیکھا ہے کہ عرب سے نکل کر آئے تو ایک سو کے مقابلے میں دس بھاری ہوتے تھے۔ غلبے کا انحصار اسلحہ پر بھی نہیں ہے' مسلمانوں کے پاس کوئی ایسا اسلحہ نہیں تھا جو رومیوں اور ایرانیوں کے پاس تھا۔ اس کے باوجود وہ کامیاب ہوئے۔ اس کے بعد بھی تاریخ مناظر پیش کرتی رہی ہے کہ تھوڑی تعداد بڑی تعداد پر غالب آ گئی۔ اصل چیز جو قوموں کو عزت اور بلندی کی ضمانت دیتی ہے وہ یہ ہے کہ ان کے سامنے کوئی مقصد ہو۔ ضروری نہیں کہ یہ مقصد حق ہو۔ کوئی مقصد ہو' اس کے ساتھ ان کو محبت ہو' اس کو وہ اپنا مقصد سمجھیں' اس کے لیے وہ جدوجہد کرنے کے لیے تیار ہوں' ضرورت پڑے تو دنیا کے نفع کے اوپر ترجیح دینے کو تیار ہوں' اس کے لیے اپنی جانیں بھی دینے کے لیے تیار ہوں' موت سے نہ ڈریں۔ جس قوم کے اندر کسی مقصد کی یہ محبت پیدا ہو جائے اور وہ اس کی خاطر دنیا کے ہر نفع کو ترک کر دے اور موت کے منہ میں جانے کو تیار ہو جائے' تو وہ کوئی بھی قوم ہو' کوئی بھی مقصد ہو' اگر وہ اپنے مقصد سے محبت رکھتی ہوگی' اس کے لیے جان قربان کرنے کو تیار ہوگی' اس کے لیے دنیاوی تکالیف اٹھانے کو تیار ہوگی تو اس قوم کو اللہ تعالیٰ دنیا کے

اندر غالب کرے گا اور عزت دے گا۔ اور جس کے اندر سے یہ چیزیں نکل جائیں تو پھر اس کا کوئی مقام باقی نہیں رہتا۔

انسان کے جسم میں جب تک روح ہے' اس کی سانس آتی ہے اور جاتی ہے' وہ چل پھر سکتا ہے' اپنے کام کرسکتا ہے' تجارت کرتا ہے' کاروبار کرتا ہے' ملازمت کرتا ہے اور بے شمار کام کرتا ہے۔ لیکن یہ سب کچھ ایک سانس کے ساتھ بندھا ہوا ہوتا ہے۔ اس سانس کا آنا جانا بند ہوا اور روح نکل گئی تو بظاہر وہ جسم تو ایسے کا ایسا ہی رہتا ہے' لیکن اس کی ساری طاقت' صلاحیت اور استطاعت ختم ہوجاتی ہے۔ وہی ہاتھ اور پاؤں' وہی دماغ' وہی زبان ہر چیز موجود ہے لیکن بے حس و حرکت' کوئی جو چاہے اس مردہ جسم کے ساتھ کرسکتا ہے۔

اسی طرح قوموں کی اپنے مقصد سے محبت جسم میں روح کی طرح ہے۔ زندگی اور عروج اس سے وابستہ ہے۔ اقبال نے کہا ہے کہ: مقصد کے لیے جدوجہد کرنے کا جذبہ' قوموں کی زندگی کی جڑ ہے اور یہ آرزو کے اندر پوشیدہ ہے۔ آرزو کیا ہے؟ کچھ کر جانے کا عزم' کہیں پہنچ جانے کی تمنا' کسی کو حاصل کرلینے کا جذبہ۔ تو آرزو کے اندر زندگی کی جڑ پوشیدہ ہے اور اس آرزو کے لیے جستجو ضروری ہے۔ جستجو کے معنی جہاد اور کوشش کے ہیں' اس کے لیے دنیا کے نقصان اٹھانے اور اپنی جان قربان کرنے تک دنیا کی محبت اتنی غالب نہ ہو کہ مقصد نگاہوں سے غائب ہوجائے۔ قوموں کی زندگی کی جڑ' جو اس کی روح' اس کی اصل ہے ان دو چیزوں کے اندر ہے: ایک آرزو اور ایک جستجو' ایک مقصد اور ایک اس کے لیے جہاد۔ ایک نصب العین اور اس کی محبت اور ایک اس کے لیے

قربانیاں دینے کا جذبہ۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن سے قومیں دنیا میں غالب ہوتی ہیں، زندہ رہتی ہیں، دوسروں پر ان کی ہیبت اور رعب بیٹھتا ہے۔ دوسروں کو جرات نہیں ہوتی کہ تھوڑی تعداد کے باوجود ان کے اوپر رعب ڈالیں یا ان کو ٹیڑھی نگاہ سے دیکھیں یا ان کو نقصان پہنچائیں۔

شروع میں مسلمانوں کا یہی حال تھا، ان کی تعداد زیادہ نہ تھی، ان کے پاس اسلحہ نہ تھا۔ ان کے پاس وہ ساز وسامان نہ تھا جو قیصر وکسریٰ کے پاس تھا لیکن وہ اپنے مقصد سے محبت کی خاطر قربانی دینے کو تیار تھے۔ وہ مقصد بھی حق تھا، اس لیے مزید قوتیں ان کا پورا ساتھ دے رہی تھیں۔ انھوں نے تھوڑے عرصے میں دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اپنا پیغام پہنچادیا اور ان کو اپنے دین کے تحت لے آئے۔ انھوں نے یہ سارا کارنامہ صرف اپنے ایمان اور اپنے مقصد سے محبت کے بل پر اور اس کے لیے جہاد کے جذبے سے سرانجام دیا۔ اگر مسلمانوں کا مقابلہ کافر قوموں سے ہو تو کافر قوموں کا مقصد باطل ہے لیکن انحصار اس پر ہوگا کہ اپنے مقصد کے لیے کام کرنے کا جذبہ کتنا ہے، اپنے مقصد کے لیے جانیں دینے کا جذبہ کتنا ہے، اور اپنے مقصد کے لیے دنیا کی تکالیف برداشت کرنے کا جذبہ کتنا ہے۔ اگر مقصد غلط بھی ہوگا لیکن جذبے کی یہ قوت ہوگی تو کافر ہونے کے باوجود دنیا کا انتظام اسی کے سپرد کیا جائے گا۔

آپ مسلمانوں کے حال پر غور کریں۔ آخر اس کی ضرورت کہاں پڑتی ہے کہ آدمی موت سے نفرت اور کراہت نہ کرے، موت کے منہ میں جانے سے نہ ڈرے اور دنیا کے اوپر اس چیز کو ترجیح دے۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو اپنی کتاب سپرد فرمائی

ہے۔ اللہ نے اپنے رسولؐ کو بھیجا' اس کے ساتھ کتاب اتاری' اس میں اس کا مقصد یہی بتایا کہ لوگ انصاف کے اوپر قائم ہو جائیں: لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (الحدید ۵۷:۲۵)' ہم نے رسول بھیجے اور ان کے ساتھ واضح کھلی آیات' نشانیاں اور زندگی بسر کرنے کا راستہ بھیجا اور کتاب اتاری' ایسی کتاب جو میزان یعنی ترازو کا کام کرتی ہے اور تول کر بتاتی ہے کہ کیا صحیح ہے کیا غلط ہے' کس عمل کا کتنا وزن ہے' کس نیت کا کتنا وزن ہے۔ دنیا کے اندر ان اعمال کا نتیجہ کیا ہونے والا ہے' اور آخرت میں کیا ہونے والا ہے۔ یہ کتاب ہم نے اس لیے اتاری ہے کہ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ تاکہ لوگ انصاف کے اوپر قائم ہو جائیں۔ پھر آگے فرمایا وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ اور ہم نے لوہا بھی اتارا۔ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ، اس لوہے میں لڑائی کا بھی سامان ہے' قوت بھی ہے اور لوگوں کے لیے بہت سے نفع ہیں۔ اس سے پُل بنتے تھے' اس سے کھیتی ہوتی تھی' اسی سے کارخانے بنتے تھے' اس سے بہت کچھ بنتا رہا ہے' اب بھی بنتا ہے۔ فرمایا: وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ تاکہ اللہ تعالیٰ اس بات کو آزمائے' اس بات کو جانچے' اس بات کو ظاہر کر دے کہ کون ہے جو اللہ کو دیکھے بغیر اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے۔

اس امت کا جو مقصد اور نصب العین ہے' جس کے لیے اس کو جینا اور مرنا چاہیے' جس کی محبت غالب ہونی چاہیے وہ تو اللہ اور اس کے رسول کی نصرت اور مدد ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی مدد کہہ کر اللہ تعالیٰ نے ایک بڑا پرکشش انداز بیان

اختیار کیا' ورنہ اصل مدد تو انسان خود اپنی کرتا ہے تاکہ لوگ انصاف کے اوپر قائم ہوں۔ اللہ کو اس کی ضرورت نہیں ہے کہ کوئی اس کی مدد کرے' نہ اس کے رسول کو اس کی ضرورت ہے کہ کوئی اس کی مدد کرے۔ اسی لیے اس آیت کے آخر میں کہا کہ اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ اللہ تعالیٰ تو خود ساری طاقتیں رکھتا ہے اور ہر چیز پر غلبہ رکھتا ہے۔ وہ چاہے تو چشم زدن میں دنیا کے اندر اس کا دین غالب ہو جائے۔ صرف ایک کُن کہنے کی دیر ہے کہ سارے لوگ درست ہو جائیں اور انصاف کے اوپر قائم ہو جائیں۔ لیکن آزمائش تو زندگی کا مقصود ہے۔ اسی سے گذر کر لوگ زندگی کے اندر جنت کا راستہ بناتے ہیں۔ اور اللہ سے قرب کا راستہ تلاش کرتے ہیں۔ اسی جہاد کے ذریعے وہ اللہ کی نعمتوں کے مستحق ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں دنیا کے مال واسباب سے اور دنیا کے اندر حکومت اور غلبے اور عزت سے سرفراز فرماتا ہے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ اس بات کو آزمائے سب کو دیکھ اور جانچ پرکھ لے' کون سی قوم اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرنے والی ہے۔ اور اگر آپ اپنی مدد کریں' اللہ کے دین کے لیے اسے غالب کرنے کے لیے کام کریں تاکہ لوگ انصاف کے اوپر قائم ہو جائیں تو اللہ نے اس کو اپنی مدد قرار دیا ہے۔ ایک اور جگہ قرآن نے کہا ہے کہ کُوْنُوْا اَنْصَارَ اللّٰہِ — اللہ کے مددگار بن جاؤ' یعنی اللہ کی راہ میں اپنی جان سے اور اپنے مال سے جہاد کرو۔ جو قوتیں اللہ نے دی ہیں' وہ اس راہ میں لگا دو اور جان کو بھی لگا دو۔ یہ ترقی اور عزت کا راستہ ہے۔

اس امت کا مقصد یہ تھا کہ وہ انصاف کے اوپر اللہ کے واسطے گواہ بن کر کھڑی ہو' یہ گواہی کسی کے بھی خلاف جائے' اپنے خلاف جائے' رشتہ داروں کے خلاف جائے'

امیر کے خلاف جائے' غریب کے خلاف جائے۔ انصاف کے اوپر قائم رہو۔ دوست کا معاملہ ہو' دشمن کا معاملہ ہو ہر معاملے میں انصاف کے اوپر قائم رہو۔ سارے انسانوں کے معاملات قسط یعنی انصاف کے ساتھ کرو۔ یہی وہ طریقہ ہے جس پر چل کر یہ امت دنیا میں غلبہ اور آخرت میں کامیابی حاصل کرسکتی ہے۔

اسی آیت کے پہلے حصے میں اللہ نے دعوت دی ہے کہ دوڑو' ایک دوسرے مسابقت کرو' آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ اس لیے نہیں کہ ہمارے پاس دنیا کا مال و اسباب زیادہ ہوجائے' زینت زیادہ ہوجائے۔ یہ سب تو فنا ہونے والا ہے۔ سابقوا ایک دوسرے سے آگے بڑھو۔ اور سارعو تیزی کے ساتھ بڑھو اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور جنت کی طرف' جس کی وسعت زمین اور آسمان کے برابر ہے۔ یہ بالکل اس آیت سے متصل ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ اللہ نے اپنی کتاب اس لیے اتاری' رسول اس لیے بھیجے' میزان اس لیے اتاری کہ لوگ انصاف پر قائم ہوسکیں۔ اور لوہے کی قوت اس لیے دی کہ جب قوت کی ضرورت ہو تو لوگ قوت کو استعمال کریں۔

جب بھی یہ مقصد نگاہوں سے اوجھل ہوگیا اور امت بھول گئی کہ یہ امت کس لیے بنی ہے اور جب بھی اس مقصد کی محبت دلوں سے اتر گئی' اس پر دنیا کی محبت غالب ہوگئی اور لوہے کی قوت کو استعمال کر کے قربانی کی جو ضرورت تھی اسے ترک کردیا تو دنیا میں ذلت و مسکنت حصے میں آئی۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی بتادیا تھا کہ مال کا' کھیتی باڑی کا ان سب کا نقصان ہوگا' بھوک سے اور خوف سے اور ڈر سے ضرور آزمایا جائے گا۔ یہ آزمائش اللہ تعالیٰ نے ایمان کے ساتھ رکھ دی ہے۔ اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے کہ: اگر تمھارے باپ اور بیٹے اور بیویاں اور تجارتیں اور مکانات' ان میں سے کوئی چیز تمھیں اللہ سے زیادہ محبوب اور پیاری ہے تو پھر اللہ کے حکم کا انتظار کرو جو شکست اور مغلوبیت کی صورت میں تمھارے اوپر آئے گا۔ جب بھی ایسا ہوا' تاریخ میں مسلمانوں کو اس کو نتیجہ بھگتنا پڑا۔ اگر ڈیڑھ سو سال پہلے مغرب کی قومیں اٹھیں اور بھوکوں کی طرح مسلمانوں کے دسترخوان پر گر گئیں اور ان کے وسائل و ذرائع' لوٹ کے غلام بنایا' ذلیل کیا' تعلیم کو بدلا' قوموں کو اپنے مقصد سے غافل کر دیا اور سب کو تقسیم کر کے' لڑا کے یہاں سے وہ چلے گئے۔ بظاہر تو چلے گئے لیکن ان کے پنجے اب بھی گڑے ہوئے ہیں۔ ہندوستان میں انگریز' انڈونیشیا میں ولندیزی اور الجزائر میں فرانس نے یہی کیا۔ یہ سب اسی لیے ہوا کہ یہ امت اپنے مقصد سے غافل ہوگئی' اور اس کو بھول گئی۔ اس امت کا جواز صرف یہ ہے کہ وہ اسلام کے لیے جدوجہد کرنے کو تیار ہو' اس کے لیے قربانیاں دینے کو تیار ہو اور اس کے لیے موت کے منہ میں جانے کو تیار ہو' زندگی کو اس مقصد سے زیادہ محبوب اور عزیز نہ رکھے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کے لیے بیان فرمایا ہے اور جو فی الحقیقت اس پوری امت کا مقصد ہے اور جس کے ساتھ اس امت کی زندگی وابستہ ہے۔

اس حدیث کا اصل مطلب تو یہ ہے کہ یہ امت اپنے مقصد کے لیے جدوجہد کرنے میں مقصد سے زیادہ دنیا سے محبت کرنے لگے گی تو اس امت کا یہ حال ہوجائے گا کہ دنیا کی ساری قومیں ایک دوسرے کو بلائیں گی کہ آؤ' دسترخوان بچھا ہوا ہے' اور بھوکوں کی طرح اس پر ٹوٹ پڑیں گی۔ سوا ارب کی تعداد کے باوجود' اسلحے کے

ذخائر ہونے کے باوجود ہزاروں ہوائی جہاز اور ٹینک رکھنے کے باوجود وہی حال ہوگا جیسا نبی کریمؐ نے فرمایا ہے کہ جس طرح پانی کے اوپر جھاگ ہوتا ہے۔ دوسری قوموں کے مقابلے میں تمھارا رعب ہوگا' نہ ہیبت ہوگی' نہ خوف ہوگا اور وجہ تمھارے دل کی یہی بیماری ہوگی۔اس کی وجہ سے تم اپنے مقصد کے لیے کوئی بھی قربانی دینے سے عاجز ہوگئے' دنیا کی محبت غالب ہوگی اور موت کا خوف بھی ہوگا۔

موت سے کراہت اور دنیا کی محبت وہ چیز ہے جس سے ملت اور قوم اپنے مقصد پر چلنے سے عاجز ہوجاتی ہے۔ بنی اسرائیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسی بات کو بیان فرمایا ہے اور کہا ہے کہ بنی اسرائیل نے کہا کہ ہم کو من اور سلویٰ نہیں چاہیے' ہم کو تو کھیتی باڑی چاہیے' گیہوں چاہیے' دال' پیاز' لہسن چاہیے۔ دراصل جب من اور سلویٰ کھا رہے تھے تو زندگی جہاد کی زندگی تھی۔اپنے گھر بار سے نکل کھڑے ہوئے تھے اور مارے مارے پھر رہے تھے۔ان کی یہ درخواست کہ من اور سلویٰ نہیں چاہیے بلکہ وہ تو چاہتے ہیں کہ بیٹھیں کھیتی باڑی کریں اپنا گھر بسائیں اور اپنے دنیا کے کام کرتے رہیں تو یہ دراصل سخت کوشی کی زندگی سے' جو دنیا پر جہاد کو ترجیح دینے کی زندگی تھی' فراغت اور جہاد سے فرار کی خواہش کا اظہار تھا۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اچھا تم بس جاؤ' شہر بساؤ' تہذیب بناؤ اور پھر فرمایا: ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ. ان پر ذلت اور مسکنت مسلط کردی گئی ہے اور اللہ کا عذاب ان کے حصے میں آیا۔

آج امت مسلمہ کا بھی یہی حال ہے کہ ہم آرام وسہولت کی زندگی چاہتے

ہیں۔ اگر ہم دنیا میں عزت' سربلندی اور غلبہ و اقتدار چاہتے ہیں تو ہم کو سعی و جہد کی اور قربانی کی زندگی اختیار کرنا ہوگی۔ ہم دنیا سے محبت نہ کریں' اس کے پیچھے نہ دوڑیں' یہ خود ہمارے قدموں میں آئے گی اور آخرت کی فلاح بھی ملے گی۔

---

جس حدیث کا مطالعہ کیا گیا ہے' اس کا اُردو ترجمہ درج ذیل ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہت قریب ہے کہ بہت ساری قومیں آپس میں ایک دوسرے کو تمھارے خلاف بلائیں گی جس طرح کھانے والے ایک دوسرے کو اپنے دستر خوان کی طرف بلاتے ہیں۔ کسی پوچھنے والے نے پوچھا کہ کیا اس کی وجہ یہ ہوگی کہ ہم تعداد میں کم ہوں گے اور اس دن ہم اس حالت کو پہنچ جائیں گے۔ آپؐ نے فرمایا: نہیں' تم اس روز تعداد میں بہت زیادہ ہوگے لیکن تم اس جھاگ کی طرح ہوگے جو پانی کے اوپر یا دریا اور سمندر کے اوپر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمھارے دشمنوں کے دل میں سے تمھارا خوف' ہیبت اور رعب نکال دے گا اور تمھارے دلوں کے اندر وہن ڈال دے گا۔ ایک پوچھنے والے نے پوچھا کہ یہ وہن کیا چیز ہے؟ فرمایا: دنیا سے محبت اور موت سے نفرت۔ (رواہ ابوداؤد)

ooo